غلبہ اسلام کا خدائی وعدہ نشأۃ ثانیہ میں بھی پورا ہو کر رہے گا

(خطبہ جمعہ فرمودہ یکم ستمبر ۱۹۷۲ء بمقام سعید ہاؤس۔ کاکول۔ ایبٹ آباد)

تشہّد وتعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے یہ آیات تلاوت فرمائیں:-

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّلَا يَسْتَخِفَّنَّكَ الَّذِيْنَ لَا يُوْقِنُوْنَ ۝۶۱

(الروم:۶۱)

فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاسْتَغْفِرْ لِذَنْۢبِكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ۝۵۶

(المومن: ۵۶)

پھر حضور انور نے فرمایا:-

اسلام کے عالمگیر غلبہ کے لئے دو زمانے مقدر تھے۔ پہلے زمانہ کی جدوجہد اور غلبۂ اسلام کی کوشش کے لئے جو مہم چلائی گئی تھی اور قربانیاں دی گئی تھیں وہ ایک لمبے زمانے پر ممتد ہیں۔ جب ہم اس زمانے پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ زمانہ مختلف اَدوار میں بٹا ہوا نظر آتا ہے۔

حضرت نبی اکرم ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک عظیم دعویٰ لے کر مبعوث ہوئے تھے لیکن ابتداء میں آپ کی یہ حالت تھی کہ اسلام میں داخل ہونے والے لوگ اپنے اسلام کا اظہار بھی نہیں کر سکتے تھے۔ گنتی کے چند صحابہؓ تھے۔ تاہم وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے فدائی تھے اور آپ کی تربیت حاصل کر رہے تھے وہ آپ سے روحانی علم بھی سیکھ رہے تھے اور آپ کے فیوض سے بہرہ ور بھی ہو رہے تھے۔ لیکن مکہ کے بہت کم لوگوں کو پتہ تھا کہ کون اس نئے دین کو، اس عظیم دین کو اور اس حسین دین کو قبول کر چکا ہے۔

غرض یہ بھی ایک دَور تھا جس میں سے مسلمان گزرے۔ پھر اسلامی تاریخ نے ایک اور موڑ کاٹا۔ چنانچہ مکی زندگی ہی میں ایک اور دور ہمیں نظر آتا ہے۔ اس دَور میں مسلمانوں کی تعداد گو پہلے سے کچھ بڑھ کر تھی لیکن ظلم بھی پہلے سے بڑھ گیا تھا۔ جن قربانیوں کے دینے کے لئے مسلمان پہلے دَور میں تیار کئے گئے تھے، اب اس دَور میں اُن کی فدائیت اور قربانیاں اور بھی عظمت اور شان دکھانے لگیں۔ کفار مکہ یہ سمجھتے تھے کہ چند مسلمان ہیں تھوڑے سے وقت کے لئے یہ کھیل کھیلا جا رہا ہے۔ بہت جلد یہ کھیل ختم ہو جائے گا اس لئے وہ مسلمانوں سے تمسخر کرنے اور انہیں استہزاء کا نشانہ بناتے تھے۔

تاہم اس دوسرے دَور میں کفار نے یہ سمجھا کہ اس مہم کا زمانہ اس قدر مختصر نہیں جتنا وہ سمجھتے تھے مسلمانوں کو پہلے سے زیادہ قوت مل گئی ہے۔ ان میں پہلے سے زیادہ دلیری پیدا ہو گئی ہے۔ یہ لوگ پہلے سے زیادہ جرأت کے ساتھ اسلام کے احکام اور فرائض کو بجا لانے لگے ہیں۔ بہت سے اثر ورسوخ رکھنے والے لوگ بھی ان میں شامل ہو رہے ہیں لیکن پھر بھی کفار مکہ یہ سمجھتے تھے کہ تلوار سے قتل کرنے سے ورے ورے جو ظلم روا رکھا جا سکتا ہے وہ روا رکھا جائے اس کے نتیجہ میں اسلام مٹ جائے گا۔ اس وقت اگر کفار مسلمانوں کو قتل کرنے لگ جاتے تو صحابہؓ چند سو سے زیادہ نہیں تھے۔ وہ زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ، دو سو کی تعداد میں تھے۔ اُن وحشیوں کے لئے ان تھوڑے سے مسلمانوں کو قتل کر دینا کوئی مشکل کام نہیں تھا چنانچہ کفار مکہ نے مسلمانوں کو ظلم وتشدد کا نشانہ بنایا مگر اللہ تعالیٰ ایک طرف اس مختصر مگر ''عظیم'' گروہ کی حفاظت بھی کر رہا تھا اور دوسری طرف اُن سے انتہائی قربانیاں بھی لے رہا تھا گو کفار مکہ کا ظلم بڑھ گیا تھا لیکن خدا تعالیٰ نے کہا کہ وہ مسلمانوں کو قتل نہیں کر سکیں گے۔ اس کے ورے ورے وہ جتنا چاہیں ظلم کریں مگر یہ میرے محبوب بندے ہیں۔ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ یہ کفار کے ظلم کے نتیجہ میں صراط مستقیم کو نہیں چھوڑیں گے۔ ارتداد کو اختیار نہیں کریں گے۔

چنانچہ یہ زمانہ کئی سال پر ممتد تھا۔ یہ بھی گزر گیا۔ پھر ہجرت ہوگئی اس پر رؤسائے مکہ کی آنکھیں کھلیں کہ مسلمانوں کو مٹانے کے لئے تلوار نکلنی چاہئے تھی۔ ہم سے غلطی ہوگئی۔ اب بھی کوئی بات نہیں۔ ہم مسلمانوں کو بزور شمشیر مٹا دیں گے چنانچہ کفر اور اسلام کے درمیان جو پہلی جنگ ہوئی اس میں کم وبیش ۳۱۳ مسلمان لڑنے والے تھے یہ تو کوئی نفری نہیں ہے اسلام پر لبیک کہنے والوں کی جو ساری دُنیا میں ایک عظیم انقلاب بپا کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ کفار نے مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے کا انتظام کیا اور یہ سمجھا کہ مسلمانوں کو مٹانے کے لئے رؤسائے مکہ کافی ہیں چنانچہ اُنہوں نے اپنے ساتھیوں اور نوکروں اور غلاموں کو ساتھ لیا اور اسلام کو مٹانے کے لئے مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے مدینہ پر دھاوا بول دیا جس کے نتیجہ میں جنگ بدر ہوئی، جہاں اسلام کا سر تو نہیں کٹا اور نہ کٹ سکتا تھا لیکن اسلام کے خلاف رؤسائے مکہ کی جو مہم تھی اس کا سر کٹ گیا۔ وہ اپنے بڑے بڑے سرداروں کی لاشیں میدان جنگ میں چھوڑ کر بھاگ گئے۔ اس جنگ میں گو کفار کا فیصلہ تو نہیں ہوا لیکن فیصلے کی ابتداء ہوگئی اندھیرا دور تو نہیں ہوا لیکن غلبۂ اسلام کے اُفق پر غیروں کو بھی روشنی کی کرن نظر آنے لگ گئی۔

پس جنگ بدر میں شکست کھانے پر کفّار مکہ نے سوچا یہ کیا ہوگیا ہے وہ سمجھے ہم اکیلے تو مسلمانوں کو مٹا نہیں سکتے۔ اس لئے اب ہمیں مکہ کے علاوہ عرب میں رہنے والے دوسرے قبائل کو بھی اپنے ساتھ ملانا چاہیئے۔ چنانچہ مظلومیت کے اس تیسرے دور میں مسلمانوں کو اپنے دفاع میں ہتھیار استعمال کرنے پڑے کیونکہ جارحیت لوہے کے ہتھیاروں سے کی گئی تھی۔ اس لئے اس کو روکنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تلوار استعمال کرنے کی اجازت دی۔ یہ مدافعانہ جنگ تھی جو اس سے بھی ایک زبردست روحانی اور جارحانہ جنگ کی تیاری کے لئے لڑی گئی مسلمان اس دَور میں سے بھی گذر گئے۔

پھر سارا عرب مسلمان ہوگیا اور حکومت کی شکل میں عرب کے اندر اسلام قائم ہوگیا۔ جس وقت سارا عرب مسلمان ہوگیا اُس وقت کسریٰ اور قیصر کو ہوش آیا۔ اُنہوں نے کہا یہ کیا ہو گیا ہے۔ یہ عرب کے بدو نہ ان کو کھانے کی تمیز ہے اور نہ رہنے کی۔ یہ اتنے طاقتور ہوگئے ہیں جہاں تک عربوں کا رہن سہن کا تعلق تھا، ایرانیوں اور رومیوں کی بات واقعی ٹھیک تھی۔ اسلام

سے پہلے عرب لوگ بڑے وحشی تھے۔ اُن کی وحشت اور بربریت کا یہ حال تھا کہ وہ اپنی بیٹیوں کو زمین میں زندہ گاڑ دیا کرتے تھے۔ تاہم اُن میں بعض خوبیاں بھی تھیں وہ بڑے مہمان نواز تھے۔ بڑے اچھے دوست بھی تھے۔ ہر چیز میں خوبیاں بھی ہیں فائدے بھی ہیں اور حُسن بھی پایا جاتا ہے۔ ورنہ تو پھر اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق کو پیدا ہی نہ کرتا جس سے کوئی فائدہ نہ ہوتا۔

بہر حال جس وقت عرب میں اسلام کی حکومت قائم ہوگئی تو اس کے ساتھ اسلام کا چوتھا دَور شروع ہوا۔ ہر دَور پہلے دَور سے زیادہ نازک تھا۔ مسلم عرب کی طاقت اسلام کے منکر، کافر اور دشمن کسریٰ اور قیصر کی مجموعی طاقت کا شاید ہزارواں حصہ بھی نہ تھی۔ مسلمانوں کی طاقت کے مقابلے میں کسریٰ اور قیصر کی طاقت بہت زیادہ تھی۔ مسلمان تعداد میں تھوڑے تھے۔ مسلمانوں کے پاس مال و دولت نہیں تھا۔ وہ گھوڑے نہیں خرید سکتے۔ اُن کے پاس اُونٹنیاں نہیں تھیں۔ اُن کے پاس زِرہیں اور خَود بہت کم تعداد میں تھے مسلمانوں کے مقابلے میں مخالفینِ عرب کے پاس بہت کچھ تھا۔ کسریٰ اور قیصر کے مقابلے میں عرب کوئی حیثیت ہی نہیں رکھتے تھے چنانچہ جس وقت عرب میں اسلام کی حکومت قائم ہوگئی تو اس وقت کسریٰ اور قیصر کی دو بڑی طاقتیں اسلام کے خلاف صف آراء ہوگئیں۔ یہ دونوں اُس وقت کی معلوم دُنیا کی اسی طرح حاکم تھیں جس طرح آج کی معلوم دُنیا پر امریکہ، روس حاکم ہیں۔ ان کی مرضی کے بغیر آزاد قومیں بھی کچھ نہیں کرسکتیں۔ یہ ایک فراڈ ہے جو انسانیت کے ساتھ کھیلا جا رہا ہے۔

بہر حال یہ دونوں بہت بڑی طاقتیں تھیں۔ عرب میں اس وقت ان کے مقابلے کی کوئی طاقت نہیں تھی چنانچہ پہلے کسریٰ نے جنگ چھیڑ دی اور یہ جنگ ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ قیصر نے سمجھا کہ یہ موقع ہے اب مسلمانوں کو مٹا دو۔ کسریٰ تو بد مذہب تھا۔ اس نے اپنے دُنیوی اثر ورسوخ، مال و دولت اور اپنے عروج و غرور کی وجہ سے اسلام کو مٹانا چاہا اور قیصر نے عیسائیت کے نام پر اسلام کو مٹانا چاہا اس نے اپنی طرف سے عیسائیت کی حفاظت کے لئے اور اپنے ملک کی حفاظت کے لئے مسلمانوں کے ساتھ لڑائی چھیڑ دی۔ ویسے یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے ساتھ یہ امر ثابت ہوگیا تھا کہ عیسائیت ختم ہو چکی ہے۔ تاہم پادری تو عیسائیت کا نام لیتے تھے۔ وہ اسلام کے خلاف اور مذہب کے نام پر

جنگ لڑنے کے لئے عیسائیوں کو بہت اُکساتے پھرتے تھے۔ اُن کا جو بادشاہ تھا، وہ سمجھتا تھا کہ اس کی دُنیوی حکومت کے لئے اسلام کی شکل میں ایک چھوٹا سا چیلنج ایک مدّ مقابل پیدا ہو گیا ہے جس کو ابھی سے ختم کر دینا چاہیئے ورنہ وہ ہمیں تکلیف دے گا۔

چنانچہ یہ چوتھا دور اور ایک لحاظ سے غلبہٗ اسلام کے آخری دور کا آغاز تھا کسریٰ اور قیصر کے خلاف اسلام کو اپنی حفاظت اور بقا اور اس کو ہر لحاظ سے مستحکم کرنے کے لئے مجبور کیا گیا کہ وہ تلوار کے مقابلے میں تلوار نکالے۔ اللہ تعالیٰ نے وہاں پھر اسلام کے حق میں اور غلبہٗ اسلام کے لئے سامان پیدا فرمائے۔ تاہم مسلمانوں کو اگر فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ کی رو سے یہ تسلی نہ ہوتی کہ خدا تعالیٰ کے وعدے ضرور پورے ہوں گے تو مسلمان اُن کا مقابلہ کر ہی نہیں سکتے تھے۔ قرآن کریم میں متعدد جگہ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ کو دہرایا گیا ہے جن میں سے میں نے ایک خاص حکمت کے ماتحت اور اپنے مضمون کے لحاظ سے دو آیتوں کا انتخاب کیا ہے۔

بہرحال پہلے دَور میں بھی یعنی جس وقت مکی زندگی میں گنتی کے چند آدمی تھے۔ اگر انہیں یہ یقین نہ ہوتا کہ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ کی رو سے اللہ تعالیٰ کے وعدے پورے ہوں گے اگر انہیں یہ بشارت نہ دی گئی ہوتی کہ اسلام ساری دُنیا پر اور دُنیا کے سارے ادیانِ باطلہ پر غالب آئے گا تو وہ مظلومیت کی زندگی کو بشاشت کے ساتھ برداشت کر ہی نہ سکتے۔

پھر دوسرے دَور میں مسلمانوں کی تعداد تو کچھ زیادہ ہوگئی۔ پہلے گنتی کے افراد تھے مسلمانوں کی فرداً فرداً گنتی ہو رہی تھی۔ مگر اس کی بجائے اب بیس بیس کی گنتی ہونے لگی۔ مجھے اس وقت صحیح اعداد و شمار تو یاد نہیں لیکن جب ہجرت کے معاً بعد مدینہ میں مسجد نبوی بنائی گئی تھی تو اُس وقت نمازیوں کی تعداد دو اڑھائی سو ہوا کرتی تھی اس سے زیادہ نہیں تھی حالانکہ اس وقت تک مدینہ کے لوگ بھی مسلمانوں میں شامل ہو گئے تھے۔

بہرحال بیسیوں مسلمان کہنا چاہیئے جو دوسرے دور میں ظلم و تشدد کے باوجود اسلام کی بقا کے لئے ہر قسم کی قربانی دیتے رہے۔ اس وقت دُنیوی لحاظ سے یا دُنیوی سامانوں کے لحاظ سے بظاہر یہ سوال پیدا ہی نہیں ہوتا کہ یہ لوگ بچ جائیں گے۔ وہ اپنی اس جدوجہد میں اور اسلام کو غالب اور مستحکم کرنے کے لئے ان تھک کوشش میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مگر ان کے دلوں

میں چونکہ پختہ یقین تھا کہ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ اللہ تعالیٰ نے جو یہ وعدہ کیا ہے کہ اسلام ساری دُنیا پر غالب آئے گا۔ یہ سچا وعدہ ہے حالانکہ ظاہر میں نہ کوئی عقلی دلیل اور نہ کوئی ظاہری سامان اس وعدہ کو سچا کرنے کے لئے موجود تھے لیکن چونکہ مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقانیت پر یقین تھا۔ آپ کے ذریعے اُنہیں جو وعدے ملے تھے ان پر ان کا یقین تھا اس لئے وہ اپنے دشمنوں سے محفوظ رہے اور اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گئے۔

پھر تیسرا دَور شروع ہوا۔ اس میں بھی چند سو مسلمان تھے۔ میں نے بتایا ہے بدر کے میدان میں ۳۱۳ کے قریب صحابہ شامل تھے۔ ان چند سو مسلمانوں کو مٹانے کے لئے رؤسائے مکہ پوری شان کے ساتھ آئے وہ اپنے تمام دوستوں اور لواحقین کے ساتھ، اپنے نوکروں اور غلاموں کے ساتھ اور اونٹنیوں اور سیوف ہندی (جو اس زمانے میں بڑی مشہور تھیں) کے ساتھ آئے تھے۔ اُن کا اِرادہ بھی تھا، ان کی خواہش بھی تھی اور اُن کو یقین بھی تھا کہ بدر کے میدان میں اسلام اور بت پرستوں کے درمیان فیصلہ ہو جائے گا اُس وقت کفار مکہ جو تھے وہ تو تھے ہی مگر یہ ۳۱۳ آدمی کس برتے پر، کس سہارے پر بدر کے میدان میں لڑنے چلے گئے تھے۔ وہ اس یقین کے ساتھ لڑنے گئے تھے کہ:-

اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا فَاصۡبِرۡ یہ حکم تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیا گیا ہے۔ مگر اس قسم کا حکم بعض تفسیری معنوں کے لحاظ سے صرف آپ کے اُوپر چسپاں ہوتا ہے اور بعض تفسیری معنوں کے لحاظ سے آپ کی امت پر انفرادی اور اجتماعی ہر دو لحاظ سے چسپاں ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے فَاصۡبِرۡ کے معنے ہوں گے مسلمانو! ایمان کی راہ پر بشاشت کے ساتھ قربانیاں دیتے چلے جاؤ۔

اِنَّ وَعۡدَ اللّٰہِ حَقٌّ تم مخالف دُنیا کی طاقت کی طرف نہ دیکھو خدا تعالیٰ نے تمہاری مدد کا وعدہ کیا ہے۔ وہ اس کو ضرور پورا کرے گا۔ کیونکہ وہ سب طاقتوں کا مالک ہے۔

پھر یہ دَور بھی ختم ہو گیا۔ اسلام کو ظاہری شان وشوکت نصیب ہوئی۔ سارا عرب مسلمان ہو گیا پھر کسریٰ اور قیصر مقابلے پر آ نکلے۔ اُن کو اپنی طاقت پر بڑا گھمنڈ تھا۔ اس سے پہلے وہ

آپس میں بھی لڑ چکے تھے۔ ان کی باہمی لڑائی کے جو واقعات رونما ہوئے تھے ان میں اللہ تعالیٰ کی عجیب حکمت کارفرما ہے۔ اس سے ہمیں بڑے سبق ملتے ہیں چنانچہ اُس زمانے میں ایک وقت میں کسریٰ کی فوجوں نے قیصر کی فوجوں پر فتح حاصل کی اور دوسرے موقع پر قیصر کی فوجوں نے کسریٰ کی فوجوں پر فتح حاصل کی اور اس وقت اسلام اپنی مکی زندگی اور مدنی زندگی میں یعنی جیسا کہ میں نے ادوار گنوائے ہیں اس لحاظ سے دوسرے اور تیسرے دَور میں سے گذر رہا تھا۔

پس ان کی آپس میں لڑائی کے یہ دو واقعات خاص حکمت کے ماتحت رونما ہوئے اور اس سے دُنیا کو یہ بتانا تھا کہ ہر دو بہت بڑی طاقتیں ہیں۔ اگر ان کی یہ جنگیں نہ ہوتیں تو آج مخالف تاریخ دان اور مستشرق اور دوسرے لوگ بھی یہ کہہ دیتے کہ اسلامی فوجوں نے کیا کارنامہ دکھایا۔ یہ تو چھوٹی چھوٹی حکومتیں تھیں۔ اُن کے پاس تھوڑی تھوڑی فوج تھی لیکن جب وہ ایک دوسرے کے خلاف میدان جنگ میں آئیں تو ساری دُنیا کی طاقت بن کر دونوں میں آ گئی ساری دنیا کے ہتھیار بٹ کر دونوں کے پاس آ گئے۔ اُن علاقوں میں جہاں ہاتھی استعمال نہیں ہوتے تھے وہاں ہاتھی استعمال کئے گئے۔ اُن کے بعض سپاہیوں نے اپنے پاؤں کو بڑی بڑی زنجیروں سے باندھ لیا یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ انہیں بھاگنے کی ضرورت نہیں۔ گو اس میں اور بھی بہت حکمتیں تھیں لیکن ایک یہ حکمت بھی تھی کہ انہیں میدان جنگ سے بھاگنے کی ضرورت نہیں چنانچہ ان دونوں کی آپس کی جنگ میں کئی لاکھ کا مقابلہ کئی لاکھ کی فوجوں سے ہوا۔ بعد میں جب ان کی مسلمانوں سے جنگ ہوئی ہے تو میرا خیال ہے کہ دونوں ملکوں کی مجموعی طور پر کوئی آٹھ لاکھ فوج بنتی تھی۔ حالانکہ مسلمانوں کی یرموک کے میدان میں قیصر کی فوج سے لڑنے والی صرف ۳۰/۴۰ ہزار فوج تھی۔ بعض لوگوں نے یہ تعداد زیادہ بھی بتائی ہے لیکن عام طور پر تاریخ دان ۴۰ ہزار فوج بتاتے ہیں ان کے مقابلے میں قیصر کی کئی لاکھ فوج تھی۔ ایک اندازہ کے مطابق تین لاکھ فوج تھی جس کے ساتھ مسلمانوں نے مقابلہ کیا اور بالآخر ان پر فتح پائی۔

پہلے بھی میں نے کئی دفعہ بتایا ہے کہ حضرت خالدؓ بن ولید جب تک کسریٰ کے مظالم کا مقابلہ کرتے رہے اُن کے پاس غالبًا چودہ ہزار فوج تھی۔ اُنہوں نے کسریٰ کے خلاف سات

آٹھ لڑائیاں لڑی ہیں۔ ہر لڑائی میں کسریٰ ساٹھ ستر ہزار تازہ دم فوج بھیجتا تھا۔ علاوہ ازیں جو پہلی لڑائیوں کے بچے کھچے لوگ ہوتے تھے وہ بھی اُن میں شامل ہو جاتے تھے ان کو تو چھوڑو۔ وہ تو پہلے لڑ چکے ہوئے تھے۔ چنانچہ ان چودہ ہزار مسلمانوں نے مجموعی طور پر قریباً پانچ لاکھ فوج کا مقابلہ کیا ہے کسریٰ کی تازہ دم فوجیں آتی رہیں اور مسلمانوں کی وہی فوج جو پہلے لڑتی چلی آرہی تھی۔ اس میں سے بھی بعض زخمی ہو گئے۔ کچھ شہید بھی ہو گئے۔ اس سارے عرصہ میں مسلمانوں کو صرف ایک آدمی کی کمک پہنچی تھی۔ چنانچہ حضرت خالدؓ بن ولید نے شروع میں جب کمک مانگی تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک صحابی سے فرمایا کہ تم چلے جاؤ۔ خالد کو مدد کی ضرورت ہے۔ اس پر مدینے والے حیران بھی ہوئے تھے اس کی تفصیل میں پہلے کئی دفعہ بتا چکا ہوں۔

پس اسلام کے چوتھے دَور میں ایک طرف کسریٰ سے جنگ ہو رہی تھی تو دوسری طرف قیصر سے جنگ ہو رہی تھی وہ مسلمانوں پر بدنیتی سے حملہ آور ہوئے تھے وہ اسلام کو مٹا دینا چاہتے تھے۔ اُن کا خون کھول رہا تھا کہ کل تک جنہیں ہم بدو سمجھتے تھے وہ آج ہمارے حاکم بننے کے لئے تیار ہو گئے ہیں اس لئے وہ بڑے غصہ میں آتے تھے۔ یہ نہیں کہ اُنہوں نے اسے کھیل سمجھا تھا حملہ کرنے آ گئے تھے۔ وہ بڑی جانبازی سے لڑتے تھے۔ وہ بڑی بہادر قومیں تھیں اور بڑی تجربہ کار بھی تھیں۔ چنانچہ اُن کے بعض ایسے جرنیل بھی تھے جنہوں نے کئی کئی لڑائیوں میں شاندار فتح حاصل کی ہوئی تھی، اُن کے لئے کسریٰ کا حکم تھا کہ اُنہیں ایک لاکھ روپے کی ٹوپیاں پہنا دی جائیں۔ ایک لاکھ روپے تو بڑی رقم ہوتی ہے۔ مخمل کی ٹوپی پر چند روپے خرچ آتے ہیں۔ اس لئے ٹوپیوں پر لاکھ لاکھ روپے کے ہیرے اور جواہرات جڑے ہوتے تھے۔ اب تو بہادری کے کارناموں پر فوجیوں کو تمغے ملتے ہیں۔ اُس وقت ایرانیوں میں ہیرے جواہرات کی ٹوپیاں پہنانے کا رواج تھا چنانچہ ایک ایک لاکھ روپے کی ٹوپی پہننے والے جرنیل کا مطلب یہ ہے کہ اس قوم کے نزدیک وہ انتہائی تجربہ کار جرنیل تھے جو مختلف محاذوں پر بڑی زبردست اور کامیاب جنگیں لڑ چکے تھے۔ ان میں سے ہر جرنیل تازہ دم فوج کے ساتھ چودہ ہزار مسلمانوں کے مقابلے پر آتے تھے۔ چنانچہ ہر دفعہ ساٹھ سے اسّی ہزار تازہ دم فوج نئے جرنیلوں کی

قیادت میں مقابلے پر آتی اور ہر دفعہ ہزیمت اُٹھاتی رہی۔

پس اُس وقت جب ان دونوں قوموں سے مسلمانوں کی لڑائی ہو رہی تھی کون احمق تھا جو یہ سوچ سکتا تھا کہ دُنیوی اور ظاہری سامانوں کے ساتھ مسلمان اُن پر غالب آئیں گے اُن کے کانوں میں تو بڑی پیاری یہ آواز پڑی تھی ایک خدا پر ایمان رکھنے اور الٰہی سلسلہ کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آواز آتی ہے۔

فَاصۡبِرۡ اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ تم دشمن کی طاقت نہ دیکھو کیونکہ جب دشمن کی طاقت دیکھ کر اپنی طاقت کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ ہو تو آدمی یہی فیصلہ کرے گا کہ لڑنا نہیں چاہئے۔ مداہنت اختیار کرنی چاہئے مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فَاصۡبِرۡ ایمان کی راہ میں، اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے بشاشت کے ساتھ قربانیاں دیتے چلے جاؤ اور یاد رکھو اِنَّ وَعۡدَ اللّٰهِ حَقٌّ دشمن جتنا بھی طاقتور ہو، ہوتا رہے تم مغلوب نہیں ہوگے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آسمان پر یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ اسلام غالب آئے گا۔

چنانچہ ان چار ادوار میں سے گزر کر مسلمان ایک ایسی طاقت بن گئے جن کے مقابلے میں کسریٰ اور قیصر کی عظیم سلطنتیں پاش پاش ہوگئیں۔ حتّٰی کہ دشمنِ اسلام بھی اس بات کا قائل ہوئے بغیر نہ رہ سکا کہ خدا تعالیٰ نے مسلمانوں سے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہوا۔ کوئی وعدہ پہلے دور میں پورا ہوا، کوئی دوسرے دور میں پورا ہوا۔ فتح مکہ کے موقع پر وہی رؤسائے مکہ جو اسلام کو مٹا دینا چاہتے تھے اسی دلیل سے وہ مسلمان ہو گئے۔ اُنہوں نے سوچا کہ اگر خدا تعالیٰ کا ہاتھ مسلمانوں کے سر پر نہ ہوتا تو انہیں یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ پس فتح مکہ کا دن جو کفار کے لئے ان کے زعم میں نحوست کا دن تھا وہ مسلمانوں کے لئے بڑی برکتوں اور خوشیوں کا دن تھا کیونکہ اس دن اللہ تعالیٰ نے جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا تھا۔ یہ مختصر سا خاکہ ہے اسلام کی نشأۃ اولیٰ یعنی اس کے پہلے دَور کا جس میں اسلام اس وقت کی معروف دُنیا پر غالب آیا لیکن جیسا کہ میں نے بتایا ہے اسلام کے دو عالمگیر غلبوں کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یہ بشارت دی تھی اور اُن سے یہ وعدہ فرمایا تھا کہ جس طرح اسلام پہلے زمانہ میں غالب آئے گا اسی طرح آخری زمانہ میں بھی سب ادیان پر غالب آئے گا۔

پس اسلام کے پہلے چار اَدوار میں سے کسی دَور میں بھی کیا کوئی یہ کہہ سکتا تھا کہ ہمارا جیتنا ظاہری سامانوں کے لحاظ سے ممکن ہے؟ نہیں! ایسا ہرگز نہیں وہ لوگ تو پاگل ہوں گے جو یہ سمجھتے تھے کہ وہ ظاہری سامانوں کے لحاظ سے جیت جائیں گے۔

دور جانے کی ضرورت نہیں ۱۹۵۳ء کے فسادات کو لے لیجئے۔ اُس وقت جب کہ مخالفت زوروں پر تھی اور ہر طرف آگ لگی ہوئی تھی۔ ہم آپس میں رتن باغ میں باتیں کیا کرتے تھے کہ اگر کوئی احمدی ہمیں آکر یہ کہے کہ ظاہری حالات ایسے ہیں کہ ہم اس آگ سے بچ جائیں گے۔ تو ہم سمجھیں گے کہ اس کا دماغ خراب ہوگیا ہے کیونکہ ظاہری حالات میں ہمارا بچنا ممکن نہیں تھا۔ ویسے تو ہم میں سے ہر ایک کو خدا تعالیٰ کے وعدوں کے پورا ہونے کا کامل یقین تھا۔ اس لئے ہم میں سے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ ہم بچ جائیں گے۔ ہمیں کوئی مار نہیں سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے آگ سے ہمیں مت ڈراؤ۔ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔ یہ ہر احمدی سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ لیکن یہ نہیں کہ ہم ظاہری سامانوں کی بدولت بچ جائیں گے۔ اگر کوئی احمدی آکر اس وقت یہ کہتا کہ ظاہری سامان ایسے ہیں کہ ہم بچ جائیں گے تو ہم سمجھیں گے اُس کے دماغ پر اتنا بوجھ پڑا ہے کہ اس کا دماغ چل گیا ہے۔

تاہم یہ حقیقت ہے کہ ہم اُن فسادات میں بچ گئے کیونکہ خدا تو سچے وعدوں والا ہے وہ کہتا ہے ’’اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ‘‘ اسی کا ترجمہ کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے

تو سچے وعدوں والا منکر کہاں کدھر ہیں
یہ روز کر مبارک سبحان من یرانی

دراصل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظم ونثر کی اکثر تحریرات قرآنی آیات کی تفسیر اور ترجمہ ہوتا ہے۔

پس یہ مختصر سا پس منظر ہے اسلام کی نشأۃ ثانیہ میں اسلام کے دوبارہ عالمگیر غلبہ کا۔ اب ہم اس زمانہ میں داخل ہو گئے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اس وقت ہوئی جب اسلام کا تنزّل اپنی انتہا کو پہنچ چکا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت

کے ساتھ اسلام کے حالات اس پہلے دور کے (جسے ہم نشأۃ اُولیٰ کہتے ہیں اور جس کے آگے چار مختلف اَدوار ہیں) حالات سے ملتے جلتے تھے۔ جس طرح اس وقت مسلمان چُھپے پھرتے تھے اور ظاہر ہو کر سامنے نہیں آتے تھے اسی طرح اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے پہلے دور کی بھی یہی حالت تھی۔ مسلمان اغیار کے سامنے چھپے پھرتے تھے۔

میں نے پہلے بھی کئی بار بتایا ہے۔ سیرالیون کے ایک سابق نائب وزیر اعظم نے بھی کہا تھا کہ احمدیوں کے آنے سے پہلے ہم اسلام کا نام لیتے ہوئے شرماتے تھے۔ وہ گویا چھپ گئے تھے کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر اُنہوں نے اسلام کا نام لیا تو وہ مارے جائیں گے اور یہ کہتے تھے کہ اسلام کا نام لے کر ہم شرم سے مر جائیں گے۔ یہ بھی مرنے کا سوال تھا۔ پھر اُنہوں نے کہا اب پچاس سال کے بعد ہم بڑے فخر سے اپنی گردنیں اُٹھا کر اسلام کے متعلق گفتگو کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمارے مقابلے میں کوئی ٹھہر نہیں سکتا۔ تاہم اس نے اعلان کیا کہ یہ اس اسلام کا نتیجہ ہے جو احمدیوں نے ہمیں سکھایا ہے حالانکہ وہ خود احمدی نہیں تھا اور اپنی تقریر کے دوران یہ بار بار کہتا تھا مَیں احمدی نہیں ہوں۔

پھر ہمارے اوپر بھی ایسا دور آیا۔ میں کئی دفعہ یہ کہا کرتا ہوں کہ خدا کی یہ شان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک وقت میں اکیلے تھے۔ آپ کے گھر والوں میں سے کوئی بھی آپ کا ساتھ دینے کو تیار نہیں تھا۔ حتیٰ کہ آپ کو روٹی دینے کے لئے تیار نہیں تھے۔ باوجود اس کے کہ جائیداد میں آپ اُن کے ساتھ برابر کے شریک تھے۔ پھر بھی بچی کھچی روٹی کھانے کو بھجوا دیتے تھے۔ اُس وقت ایک آدمی احمدیت کو مٹا سکتا تھا۔ مثلاً کوئی ایک آدمی جا کر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قتل کر دیتا تو کیا یہ خدا تعالیٰ نے منصوبہ بنایا تھا عالمگیر غلبۂ اسلام کا وہ ختم ہو جاتا لیکن خدا تعالیٰ کے منصوبے تو کبھی ختم نہیں ہوتے خدا تعالیٰ نے فرمایا یہ میرا بندہ ہے اس پر کوئی ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا۔

چنانچہ یہ ایک دور تھا جو گذر گیا پھر جماعتیں قائم ہونے لگیں اور ہم مکّی زندگی سے ملتے جلتے دوسرے دور میں داخل ہو گئے۔ مخالفین کے ظلم بڑھ گئے۔ اِکّا دکّا احمدی شہید بھی ہوا حضرت صاحبزادہ سید عبداللطیف کو بڑے ظالمانہ طور پر شہید کر دیا گیا اور بھی بہت سے جاں نثار

پیدا ہوئے جنہوں نے اسلام واحمدیت کی سچائی کی خاطر اپنی جان دے دی۔ ہر احمدی نے اپنے ایثار اور قربانی سے یہ ثابت کر دکھایا کہ وہ اس یقین پر قائم ہے کہ خدا تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں۔ یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دنیا پر غالب کرنے کے لئے قائم کیا ہے۔ اس واسطے کسی احمدی کو مخالفت کی کوئی پرواہ نہیں تھی اور نہ ہے وہ سمجھتا ہے کہ موت تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ نوجوان بھی مر جاتا ہے۔ ادھیڑ عمر کا ہو یا بوڑھا ہو، مرد ہو یا عورت ہر ایک نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ موت پر تو انسان کو اختیار نہیں ہے لیکن جب ظالم ظلم سے مارنا چاہے تو بشاشت کے ساتھ خدا کی رضا کے حصول کے لئے جان دے دینا یہ بہت بڑی چیز ہے اور حقیقی قربانی کی علامت ہے۔ چنانچہ ہمارے محترم صاحبزادہ سید عبداللطیف شہیدؓ نے کسی چیز کی پرواہ نہیں کی۔ اسی طرح اور بھی جانباز پیدا ہوئے جنہوں نے احمدیت کی خاطر جان دے دی۔ پھر بعض نے میدان تبلیغ میں جانیں دے دیں۔ یہ بھی ایک شہادت ہے جو ایک گروہ کو حاصل ہوتی رہی۔ جس طرح رؤسائے مکہ نے سمجھا تھا کہ مسلمان تھوڑے سے ہیں ان کو تنگ کر کے مرتد کر لینا چاہیے اس طرح اس دوسرے دَور میں ساری دُنیا میں اسلام پر بھی ایک ایسا وقت آیا کہ عیسائیوں نے کہا ان کو پیسے دے کر دنیا کا عیش پیش کر کے عیسائی بنا لو۔ بس یہ اپنے آپ ختم ہو جائیں گے۔ اس قوم میں کوئی جان نہیں ہے وہ مسلمانوں کو اتنی تنزل کی حالت میں دیکھ رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ جلد ہی عیسائی ہو جائیں گے چنانچہ ۱۸۵۵ء اور ۱۸۸۰ء کے درمیان عالمی کانفرنسوں میں عیسائیوں کے چوٹی کے منّاد پادریوں نے یہ کہا کہ وہ وقت عنقریب آنے والا ہے کہ خداوند یسوع کا جھنڈا خانہ کعبہ پر لہرائے گا۔

چنانچہ برصغیر پاک و ہند میں حضرت علامہ عماد الدین جو آگرہ کی جامع مسجد میں واعظ رہے تھے وہ عیسائی ہو گئے۔ پھر وہ پادری عماد الدین کہلانے لگے وہ بڑا پڑھا لکھا آدمی تھا۔ علوم ظاہری میں بڑا ماہر تھا۔ علمائے ظاہر کے گروہ کا ایک بہت بڑا عالم تھا میں نے بھی اس کی بعض کتابیں پڑھی ہیں۔ جہاں تک ظاہری علوم کا تعلق ہے وہ تو ایک عیسائی بھی پڑھ سکتا ہے۔ مثلاً بخاری ہے۔ حدیث کی دوسری کتابیں ہیں۔ پھر تفاسیر کی کتابیں ہیں جنہیں مسلمان علماء نے لکھا ہے انہیں ہر کوئی پڑھ سکتا ہے اور یاد رکھ سکتا ہے۔ یہ بھی علم کی ایک قسم ہے اور ایسے شخص

کو بھی عالم کہتے ہیں۔ اس قسم کا وہ عالم تھا۔ غالباً امریکہ میں عیسائیوں کی عالمی کانفرنس منعقد ہونے والی تھی۔ اُنہوں نے ان کو بھی بلایا مگر یہ کسی وجہ سے اس کانفرنس میں شریک نہ ہو سکے۔ البتہ اُنہوں نے اس کانفرنس کے لئے ایک مضمون بھجوا دیا اس میں اُنہوں نے دُنیا کے عیسائیوں کو یہ بشارت دی کہ وہ وقت عنقریب آنے والا ہے کہ اگر ہندوستان میں (اس وقت پاکستان تو بنا نہیں تھا سارا ہندوستان اکٹھا تھا) کسی شخص کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ اپنی زندگی میں کسی مسلمان کو دیکھ لے تو اس کی یہ خواہش پوری نہیں ہو سکے گی یعنی یہاں ایک بھی مسلمان نہیں رہے گا۔ یہ اُن کا دعویٰ تھا۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث ہوئے۔ دُنیا کے حالات بدلے ایک کے بعد دوسرا۔ دوسرے کے بعد تیسرا دور شروع ہوا اور گزر گیا۔ اس وقت ہم عملاً چوتھے دَور میں داخل ہو چکے ہیں۔ پہلے تو ہندوستان اکٹھا ہو کر اسلام کے غلبہ کی مہم میں رکاوٹ پیدا کرنا چاہتا تھا۔ مگر پھر ساری دُنیا اکٹھی ہو گئی اور اُنہوں نے اسلام کو غالب کرنے کی اس الٰہی سکیم اور منصوبے کو ناکام بنانے کے لئے کروڑوں اربوں روپے خرچ کئے۔ اور یہ وہ دَور ہے جس میں سے ہم اب گزر رہے ہیں لیکن دَور دَور کے مختلف مراحل میں فرق ہوتا ہے میں نے بڑا غور کیا ہے۔ میرے نزدیک ابھی اس دَور کی ابتداء ہے لیکن مجھے نظر آ رہا ہے کہ ہم عنقریب اس چوتھے دَور کے نہایت نازک مرحلے میں داخل ہونے والے ہیں۔

میں پہلے بتا چکا ہوں کہ جس طرح اسلام کی نشأۃ اولیٰ کے چوتھے دَور میں پہلے کسریٰ اور پھر قیصر کے خلاف مسلمانوں کو ایک زبردست جہاد اور سخت مجاہدہ کرنا پڑا تھا اس طرح اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے اس چوتھے دَور میں بھی اسلام کو غالب کرنے کی جو جدوجہد تھی وہ پہلے ادیانِ باطلہ کے خلاف تھی۔ جماعت احمدیہ کی کش مکش دیگر مذاہب کے ساتھ یعنی ہماری ان لوگوں کے ساتھ مذہبی جنگ ہو رہی تھی جو اپنے آپ کو عیسائیت کی طرف منسوب کر رہے تھے۔ یا اپنے آپ کو وید کی طرف منسوب کر رہے تھے یا بعض دوسرے مذاہب کی طرف منسوب ہوتے تھے مگر جس طرح پہلے کسریٰ اور پھر قیصر کے ساتھ جنگ ہوئی یعنی پہلے ایک طاقتور مخالف حکومت کے بعد دوسری طاقتور مخالف طاقت کے ساتھ جنگ ہوئی اس طرح جماعت احمدیہ کے مقابلے

میں اس چوتھے دَور کا پہلا حصہ ہے ادیان باطلہ کی مخالفت اور اس کا مقابلہ ہمیں اس میں بڑا زبردست جہاد اور سخت مجاہدہ کرنا پڑا اور کرنا پڑ رہا ہے اس جنگ کو ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جہاں تک دلائل کا تعلق ہے جیت لیا ہے۔ ہماری کوشش کامیاب ہوگئی ہے۔ دلائل کے مقابلے میں اب لوگ ہمارے سامنے بالکل نہیں ٹھہرتے۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب میں ایک جگہ ایک بڑا ہی عجیب فقرہ لکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک وہ وقت تھا کہ پادری ہر نکڑ پر اور ہر چوراہے پر کھڑے ہو کر مسلمانوں پر آوازے کسا کرتے تھے کہ کہاں ہیں وہ اسلام کے معجزات جو محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے دکھائے تھے۔ وہ ہمارے سامنے پیش کرو۔ مگر اب یہ حال ہے کہ وہی پادری میرے ساتھ جو محمد ﷺ کا خادم ہوں مقابلہ کرنے سے گھبراتے ہیں۔ غرض دلائل کے میدان میں اہل مذہب کی پسپائی کا دَور آپ علیہ السلام کی زندگی میں شروع ہوگیا تھا۔ اب مثلاً وفات مسیح کا مسئلہ ہے۔ اندرونی طور پر مسلمان کہلانے والوں کے ساتھ ایک وقت میں یہ ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ اس مسئلہ پر بڑی سر پھٹول ہوا کرتی تھی۔ بڑی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ اسی بناء پر قتل کی کوششیں ہوئیں کہ ہم حضرت مسیح علیہ السلام (جو ایک عاجز انسان تھے ان) کو آسمان پر زندہ کیوں نہیں مانتے؟ اس مسئلہ پر لوگ ہمارے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے۔ وہ ہمیں کہتے تھے تمہاری عقلوں کو کیا ہوگیا ہے۔ ایک طرف عیسائی تھے۔ وہ ہمیں کہتے تھے کہ تم اُس مسیح کو خدا کیوں نہیں مانتے اور دوسری طرف مسلمان کہہ رہا تھا تم اسے آسمان پر زندہ کیوں نہیں مانتے۔ حالانکہ حضرت مسیح علیہ السلام ایک عاجز انسان تھے جو ماں کے پیٹ کے اندھیروں میں نو مہینے رہنے کے بعد اس دُنیا میں پیدا ہوئے تھے وہ نہ تو خدا بن سکتے تھے اور نہ اس جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ رہ سکتے تھے۔

چنانچہ ہم نے حیات مسیح کے عقیدہ کے خلاف عقلی اور نقلی اور تاریخی دلائل کے ذریعہ لوگوں کو لاجواب کر دیا۔ اب اسّی نوے فی صد مسلمان یہ کہتے ہیں کہ وہ لوگ غلطی کرتے تھے جو حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کو آسمان پر زندہ مانتے تھے۔ بمشکل دس بیس فی صد لوگ ایسے رہ گئے ہیں جو حیات مسیح کے قائل ہیں۔ ان میں سے بھی ایک حصہ ایسا ہے جو مانتا تو ہے کہ

حضرت مسیح علیہ السلام فوت ہو گئے ہیں لیکن وہ اس بات کا اعلان کرنے کے لئے تیار نہیں۔ تاہم ایک وقت آئے گا کہ وہ لوگ بھی وفات مسیح کا اقرار کر لیں گے۔

دوسری طرف عیسائی کہتے ہیں کہ مریم کا بیٹا (علیہ السلام) آسمان پر زندہ ہے اور خدا کے دائیں ہاتھ بیٹھا خدائی کر رہا ہے تین مل کر ایک بن گئے ہیں یعنی تثلیث عیسائیوں کا بنیادی عقیدہ ہے حالانکہ بائیبل نے حضرت مسیح کو SON OF MAN (سن آف مین) یعنی ابن آدم کہا ہے۔ یہ بڑی موٹی بات ہے پھر بھی آدمی حیران ہوتا ہے کہ اس کے باوجود عیسائی حضرت مسیح کو خدا مانتے ہیں آخر وہ ان کی خدائی کو کس طرح اور کس دلیل کی بناء پر مانتے ہیں۔ عیسائیوں نے بائیبل میں دجل کر کے جو حصہ ملایا ہے وہ علیحدہ ہے اس کے باوجود بائیبل نے کئی جگہ حضرت مسیحؑ کو ابن آدم کہہ کر پکارا ہے۔

میں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ ڈنمارک میں ایک عیسائی پادری نے بدتمیزی کی تھی اس نے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف بات کی تھی۔ اس کا میں نے جو جواب دیا تھا وہ ان کے لئے پریشان کن تھا۔ میں نے اپنے جواب میں جان بوجھ کر حضرت مسیح کے لئے ابن آدم کا لفظ استعمال کیا تھا وہ چونکہ پڑھے لکھے اور ہوشیار لوگ ہیں اس لئے وہ فوراً سمجھ گیا اور بڑا تلملایا کہ یہ کیا ہو گیا ہے وہ کہنے لگا کہ ابن آدم کے معنے وہ نہیں جو آپ سمجھتے ہیں میں نے اس کو جواب دیا (دوست یاد رکھیں کہ ایسے وقت میں اپنی جگہ کو بالکل نہیں چھوڑنا چاہئے) کہ ابن آدم کے معنے سوائے ابن آدم کے کوئی اور ہو ہی نہیں سکتے۔ اس واسطے تمہارا یہ کہنا غلط ہے کہ میں ابن آدم کے جو معنے سمجھتا ہوں وہ درست نہیں سن آف مین یعنی ابن آدم کے معنے ابن آدم ہی کے ہوتے ہیں اس پر وہ کہنے لگا کہ یہ تو ہماری مذہبی اصطلاح ہے۔ میں نے کہا میں جانتا ہوں۔ یہ تمہاری مذہبی اصطلاح ہے لیکن دُنیا کے سارے علوم اور دُنیا کے سارے مذاہب اس بات پر متفق ہیں کہ کسی لفظ کے یا کسی جملے کے اصطلاحی معنے لغوی معنے کو محدود کرتے ہیں اس میں وسعت پیدا نہیں کرتے۔ اس لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ لُغت کوئی اور معنے کر رہی ہو اور اصطلاحی معنے کچھ اور ہوں۔ مثلاً گھوڑا ہے۔ اس کی کئی قسمیں ہوتی ہیں۔ عربی میں گھوڑے کے کئی سو نام ہیں۔ اب ایک خاص قسم کا گھوڑا ہے (جس کا ایک خاص نام ہے) تو

اس کے متعلق اگر کوئی کہہ دے کہ یہ گھوڑا نہیں اس کے معنے گدھے کے ہیں تو ایسا نہیں ہوسکتا۔ گھوڑا، گھوڑا ہی رہے گا گدھا نہیں بن جائے گا۔

اسی لئے ساری دُنیا کے عالم اور مذہبی لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ اصطلاحی معنے لغوی معنوں کو محدود کرتے ہیں ان میں وسعت پیدا نہیں کرتے۔اس لحاظ سے ابن آدم کے معنے ابن آدم ہی کے ہوتے ہیں یعنی اس کا مفہوم کچھ محدود ہو جائے گا۔ ابن آدم سے بڑھ کر کچھ نہیں بنے گا۔ جب اُس نے یہ کہا تو چونکہ اس کے ساتھ کج بحثی نہیں کرنا چاہتا تھا نہ یہ میرا مقام ہے۔ میں نے بڑے وثوق سے اُن کے لیڈر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ اس کا جواب میں نہیں دوں گا۔ یہ دیں گے کوئی کہہ سکتا تھا کہ میں نے ایسا کر کے خطرہ مول لیا تھا لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ وہ دل میں خواہش پیدا کرتا ہے اس کو پورا بھی کرتا ہے۔ چنانچہ اُن کا لیڈر اس پادری سے کہنے لگا۔تم غلط کہتے ہو یہ ٹھیک کہتے ہیں۔

پس عیسائیوں کو بھی حضرت مسیحؑ کا ابن آدم ہونا تو ماننا پڑ گیا۔ میں اس وقت بتا یہ رہا ہوں کہ ادیان باطلہ کے ساتھ ہماری دلائل کی جو جنگ تھی اُسے ہم نے قریباً قریباً جیت لیا ہے۔مَیں یہ نہیں کہتا کہ ہم نے یہ جنگ پوری جیت لی ہے۔ہم نے یہ جنگ دلائل کے میدان میں جیت لی ہے۔بعض لوگ بیس فیصد احمدی ہو چکے ہیں۔بعض پچاس فیصد احمدی ہو چکے ہیں بعض ساٹھ فیصد احمدی ہو چکے ہیں۔

غرض غلبۂ اسلام کی راہ میں روک بننے والی دو بنیادی طاقتیں تھیں۔ایک ادیان باطلہ کی مجموعی طاقت۔ چنانچہ جب اسلام کا سوال پیدا ہوتو یہودی اور عیسائی ایک بن جاتے ہیں۔ جب اسلام کا سوال نہ ہوتو عیسائی یہودیوں سے کہتا ہے تم نے خداوند یسوع کو صلیب پر لٹکا دیا تھا۔تم سخت ظالم ہو لیکن جس وقت اسلام کا سوال ہوتو اس وقت یہودی اور عیسائی ایک ہو جاتے اس وقت یہودی۔ عیسائی اور آریہ ایک ہو جاتے ہیں۔ دوسرے سب مذاہب والے ایک ہو جاتے ہیں۔جس وقت اسلام کا سوال ہوتو مذہب اور فلسفہ ایک ہو جاتے ہیں یعنی ایک فلسفی بڑے آرام سے اسلام پر وار کر دیتا ہے مگر دوسرے مذاہب پر وار کرنے کی متحدہ جرأت نہیں کرتا۔گو اس کی دلیل غلط ہوتی ہے یہ ہم مانتے ہیں۔ یہ رجحان اب آہستہ آہستہ دُور ہو رہا

ہے مذہبی دلائل کے میدان میں ہم نے اُن کو لا جواب کر دیا ہے۔ یہ جنگ ابھی شدت سے جاری ہے۔ اور ان کو حلقہ بگوش اسلام کرنا ابھی رہتا ہے۔ لیکن ہمیں اس کی فتح کے آثار نظر آرہے ہیں تاہم یہ جنگ مزید ۲۰۔۲۵ سال تک جاری رہے گی۔

اسلام کے خلاف دوسری طاقت لامذہبیت یعنی دہریت کی تھی جسے اشتراکیت بھی کہتے ہیں یہ لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر لامذہبیت کے نام پر انسانی معاشرہ کو خوشحال بنانے کا دعویٰ کرتے ہیں ہمارے نزدیک اسلامی ہدایت اور قرآنی شریعت کو چھوڑ کر انسانی معاشرہ نہ حقیقی طور پر خوش حال بن سکتا ہے اور نہ بااخلاق اور باخدا بن سکتا ہے۔ یہاں تک کہ دُنیوی لذتوں کا جتنا احساس ایک مسلمان کو ہے اتنا ان کو نہیں ہے۔ ہم اس وقت ایسے موڑ پر کھڑے ہیں کہ جس طرح نشأۃ اولیٰ میں اسلامی ترقی کے چوتھے دَور میں پہلے تو کسریٰ اور بعد میں قیصر کے ساتھ مقابلہ تھا۔ اسی طرح ہمارا ابھی پہلے مذاہب کے ساتھ اور اب لامذہبیت یعنی دہریت کے ساتھ مقابلہ ہے۔ اس کے لئے ہمیں دو ہتھیار ملے ہیں ایک دلائل کا ہتھیار اور دوسرا آسمانی نشانات یعنی معجزات کا ہتھیار چنانچہ اس دَور کے پہلے حصہ میں ہم دلائل پر زور دیتے رہے ہیں۔ کیونکہ جن لوگوں کے ساتھ پہلے ہمارا مقابلہ تھا وہ مذہب کو ماننے والے تھے اس واسطے ہم انہیں اسلام کا قائل کرنے کیلئے عقلی اور نقلی دلائل قاطعہ دیا کرتے تھے جن کا وہ جواب نہیں دے سکتے تھے۔ دلائل کے علاوہ انہیں آسمانی نشانات سے بھی قائل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ اس میں ہم قریباً قریباً کامیاب ہو چکے ہیں۔

اب ہم اس دَور کے دوسرے حصہ میں داخل ہو رہے ہیں اس میں ہمیں آسمانی نشانات پر زیادہ زور دینا پڑے گا۔ اور ساتھ ساتھ دلائل بھی دینے پڑیں گے ہمارے پاس یہ دونوں ہتھیار ہیں پہلے زمانے میں جب اسلام کے دفاع میں جنگ لڑی جاتی تھی تو کسی وقت تلوار کی جنگ ہو رہی ہوتی تھی اور کسی وقت تیر کی ہو رہی ہوتی تھی۔ یا ایک وقت میں تیر چلتے تھے تو دوسرے وقت میں تلواریں اور نیزے نکل آتے تھے۔

پس ہتھیار تو دونوں قسم کے استعمال ہوں گے لیکن زیادہ اہمیت اب آسمانی نشانوں کو دی جائے گی۔ دوسرے نمبر پر دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ ہوں گے۔ اس دَور کے پہلے حصے میں

زیادہ اہمیت دلائل کی تھی اور دوسرے نمبر پر معجزات کی ضرورت تھی۔ اب معجزات کی اہمیت پہلے نمبر پر ہے اور دلائل کی حیثیت ثانوی ہے۔ گو دونوں ہتھیار ہی نہایت اہم ہیں۔

جیسا کہ میں اپنے ایک خطبہ جمعہ میں بتا چکا ہوں کہ اس مہم میں کامیابی کے لئے جہاد اکبر کی بڑی ضرورت ہے۔ جہاد اکبر کا مطلب ہے اپنے نفس کی اصلاح کے لئے مجاہدہ کرنا، اپنے نفس کی تربیت کرنا اپنے نفس کا ایسا محاسبہ کرنا جس کے نتیجہ میں مقبول عبادت کی توفیق مل جائے یعنی حقیقی عبادت اور قربانی جسے اللہ تعالیٰ قبول بھی فرما لے۔ دراصل مقبول عبادت کے بغیر طہارت اور پاکیزگی نصیب نہیں ہوتی اور پاکیزگی کے بغیر آسمانی نشان نہیں ملتے۔

اس لئے اس دَور میں جس میں ہم داخل ہو رہے ہیں ہم میں سے ہر چھوٹے اور بڑے خصوصاً نوجوانوں کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ اپنے نفس کو پاک کریں۔ جہاں تک اسلام کے عالمگیر غلبہ کے لئے روحانی جنگ کا تعلق ہے اس کے متعلق تو خدا تعالیٰ کا منشاء ہے اس کا وعدہ ہے اور آسمانوں پر یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ یہ جنگ ہم نے جیتنی ہے۔ تم میدان میں نہیں آؤ گے تو کوئی اور آ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کوئی اور قوم لے آئے گا۔ یہ جنگ بہرحال جیتی جانی ہے۔ تاہم یہ جنگ ایٹم بم سے نہیں جیتی جانی یہ جنگ دلائل اور آسمانی نشانوں کے ذریعہ جیتی جانی ہے اس کے لئے ایک بڑی زبردست اور تربیت یافتہ روحانی فوج تیار ہونی چاہئے۔ اور وہ جہاد اکبر کے ذریعہ یعنی نفس کے محاسبہ اور تربیت کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے۔ پس جماعت کے ہر چھوٹے اور ہر بڑے بالخصوص نوجوانوں کو اس طرف توجہ دینی چاہئے۔ اور اپنے نفس کی تربیت اور اصلاح میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھنی چاہئے۔ وقت زیادہ ہو گیا ہے اس لئے میں اس مضمون کو مختصر کر دیتا ہوں۔

میں نے خطبہ کے شروع میں جن دو آیتوں کی تلاوت کی ہے اُن میں سے پہلی آیت میں فرمایا اللہ تعالیٰ کا وعدہ برحق ہے وہ تو پورا ہو کر رہے گا۔ اس کے وعدوں کو تو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ لیکن وہ لوگ جو اللہ کے وعدوں پر یقین نہیں رکھتے وہ یہ کوشش کریں گے کہ تمہیں جادۂ استقامت اور صراطِ مستقیم سے پرے ہٹا دیں۔ فرمایا اُن سے ہوشیار رہنا اور ان کے دھوکے میں نہ آنا۔

لَا يُوْقِنُوْنَ کے لفظ میں دونوں قسم کے لوگ آ جاتے ہیں بلکہ تینوں آ جاتے ہیں۔ یعنی

کمزور ایمان والا۔ منافق اور منکر۔ ان تینوں کو یہ یقین نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہوں گے مگر ایک پکے اور پختہ ایمان والے مسلمان کو تو اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے پورا ہونے پر کامل یقین ہوتا ہے۔

دوسری آیت میں فرمایا اللہ تعالیٰ کا وعدہ تو ضرور پورا ہو کر رہے گا لیکن ساتھ ہی فرمایا اس کے لئے تمہیں استغفار کرنا پڑے گا۔ کیونکہ اس وعدہ کے پورا ہونے کے رستہ میں تمہاری کمزوریاں حائل ہوسکتی ہیں۔جس کے نتیجہ میں وعدہ پورا ہونے میں تاخیر بھی ہوسکتی ہے یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک دوسری قوم پیدا کر دے۔جو ان وعدوں کو پورا کرنے والی ہو۔اس لئے فرمایا تم ہمیشہ استغفار کرتے رہو۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے استغفار کے معنے یہ کئے ہیں کہ انسان اپنے رب سے یہ درخواست کرتا رہے کہ اس کی بشریت کی کوئی کمزوری ظاہر نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ بھی طاقت رکھنے والا اور قادر مطلق ہے اس کی طاقت سے انسان طاقت حاصل کرنے کی توفیق پائے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا خدا کے وعدے تو ضرور پورے ہوں گے اسلام کو کامیابیاں نصیب ہوں گی۔مگر خدا کے وعدوں کی وجہ سے غرور نہ کرنا اور یہ نہ سمجھنا کہ چونکہ خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے وہ اُسے پورا کرے گا اس لئے ہم کمزوری دکھا جائیں تو کوئی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کمزوری نہیں دکھانی بلکہ ہر وقت چوکس رہنا ہے اور استغفار کرتے رہنا ہے اس لئے ہم نے کوشش بھی کرنی ہے اور دعا بھی کرنی ہے کہ ہماری بشری کمزوریاں غلبۂ اسلام کی راہ میں حائل نہ ہو جائیں۔ایسا نہ ہو کہ کوئی اور قوم پیدا ہو جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے یہ وعدے پورے ہوں اور وہ ان بشارتوں کی وارث بن جائے۔

دوسرے فرمایا غرور نہیں کرنا بلکہ ہر حال میں خدا تعالیٰ سے طاقت حاصل کر کے کامیابی کی راہوں کو تلاش کرنا ہے پھر فرمایا جس شخص نے خدا تعالیٰ سے طاقت حاصل کرنی ہو اس کے لئے دو باتیں ضروری ہیں ایک تسبیح کرنا اور دوسرا تحمید کرنا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ تم شام اور صبح کو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتے رہو اور حمد بھی کرتے رہو۔ ہمارا بھی یہی محاورہ ہے اور دوسرے ملکوں کا بھی یہی محاورہ ہے کہ جب اس قسم کا مفہوم ادا کرنا ہو تو ہم کہتے ہیں صبح وشام ایسا ہوتا ہے اس آیت میں یہ ترتیب

بدل دی گئی ہے فرمایا تم اللہ تعالیٰ کی تسبیح وتحمید کرو بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ شام کے وقت بھی اور صبح کے وقت بھی دراصل اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامی مجاہدہ یعنی غلبۂ اسلام کے لئے جو جدوجہد کی جاتی ہے اس کی حرکت اندھیروں سے روشنی کی طرف تھی۔ روشنی سے اندھیروں کی طرف نہیں تھی۔ اس میں ایک لطیف اشارہ پایا جاتا ہے ایک تو وہ رات ہے جو سورج کے غروب ہونے پر دھندلکے سے شروع ہوتی ہے اور ایک اس وقت کی رات ہے جس وقت مسلمانوں کو روشنی نظر نہیں آ رہی تھی ان کو تکالیف کا سامنا تھا۔ ان پر ظلم وستم ہو رہے تھے، کفر نے ان کی ترقی کے راستے میں روکیں پیدا کی ہوئی تھیں۔

پس اسلام کے غلبہ کے لئے مسلمانوں کی جدوجہد نشأۃ اولیٰ میں بھی ظلمت سے نور کی طرف تھی اور نشأۃ ثانیہ میں بھی ظلمت سے نور کی طرف ہے۔ اس لئے اَلْعَشِي پہلے کہا گیا ہے اور اَلْاِبْكَار بعد میں کہا گیا ہے آیت کے اس حصے میں اس طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ اگر تمہاری یہ حرکت قائم رہے تو جس طرح مثلاً زمین کی حرکت قائم رہتی ہے۔ عشی کے بعد صبح کا آنا یقینی ہے اسی طرح اگر تمہاری جدوجہد اور تمہاری قربانیاں اور ایثار بھی قائم رہے گا تو جس طرح رات کے اندھیروں کے بعد صبح صادق کا طلوع یقینی ہے اسی طرح تمہاری تکالیف کے بعد تمہاری کامیابی اور غلبۂ اسلام بھی یقینی ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل سے ہمیں یہ توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کی تسبیح وتحمید کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ طاقت حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور کامل اور قوی فطرت کے ساتھ اپنی مجاہدانہ ذمہ داریوں کو ادا کریں اور دلائل قاطعہ اور آسمانی نشانوں کے زبردست ہتھیاروں کے ساتھ اپنی مجاہدانہ زندگیوں کو لیس کر کے اور طاقتور بنا کر ہم اسلام کی اس جنگ میں کامیاب ہوں اور وہ دن جلد آ جائے جب اس نشأۃ ثانیہ میں بھی اسلام ساری دُنیا پر غالب آ جائے۔ ادیان باطلہ بھی باطل کو چھوڑ کر حق کو قبول کرنے لگ جائیں اور وہ بھی جو اپنی غفلتوں کے نتیجہ میں اور اپنے غرور کی وجہ سے اپنے رب عظیم کو بھول چکے ہیں۔ خدائے قادر مطلق کی طرف لوٹ آئیں۔ میری مراد دہریت یعنی LEFTIZM (لیفٹ ازم) سے ہے جس کا اس وقت دُنیا میں بڑا اثر ہے ان کے ساتھ مقابلے کی تیاریاں شروع ہو گئی

ہیں۔ اُنہوں نے مذہب کے خلاف جو کچھ لکھا ہے وہ دراصل ہمیں تیار کرنے کے لئے ہے پہلے تو ہمیں کچھ پتہ نہیں تھا کہ ہم نے ان کا کس طرح مقابلہ کرنا ہے جس طرح مسلمان جب کسریٰ ایران کے مقابلے میں گئے تھے اوران کے مقابلے میں ہاتھی آ گئے تھے تو ان کو کچھ پتہ نہیں تھا کہ اُن کا کس طرح مقابلہ کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے پھر وہیں مسلمانوں کو ان پر فتح پانے کی باتیں سکھا دی تھیں۔ اس طرح یہ سوشلزم وغیرہ کا اثر ورسوخ پھیل رہا ہے۔ یہ اس وقت اس سٹیج پر ہے کہ ہم اس کا مقابلہ کرنے کے گُر سیکھیں تا کہ جب اُن کے ساتھ مقابلے کا وقت آئے تو اس وقت خدا تعالیٰ اپنا فضل فرمائے اور پھر اسی کی دی ہوئی توفیق سے اور اسی کی رحمت اور طاقت سے وہ آخری جنگ کامیابی کے ساتھ لڑی جا سکے جس کے نتیجہ میں اسلام نے ساری دُنیا پر غالب آنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی توحید قائم ہو خدا کرے ایسا ہی ہو۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۲۴ جولائی ۱۹۷۳ء صفحہ ۱ تا ۹)

❁❁❁